کراچی
آئنہ
محمود واجد
مدیر

جلد : ۱۲	شمارہ : ۴۸	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷

کراچی

مدیر : محمود واجد

شریک مدیر : سائرہ غلام نبی

ٹیرف (پاکستان)

عام شمارہ : ۸۰/ روپے
صفحات : ۱۶۰
سالانہ : ۳۰۰/ روپے

دیگر ممالک (سالانہ)

بھارت/ بنگلہ دیش ۴۰۰ روپے
سعودی عرب/ امارات ۱۲۰ ریال/ درہم
یورپ/ امریکہ ۲۰ پونڈ/ ۳۰ ڈالر

جلد : ۱۲ شمارہ : ۴۸ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷

کراچی

مدیر : محمود واجد

شریک مدیر : سائرہ غلام نبی

مدیر انتظامی : ممتاز ہاشمی سرورق : عادل منصوری

رابطہ کے لیے

ہاشمی ٹریڈنگ شاپ ۳، اقبال منزل کیمبل روڈ نزد برنس روڈ کراچی ۷۴۲۰۰

تیز تر رابطہ

دفتر : 2624010-2626516

رہائش : 4640468-4655711

موبائل : 0300-2244866

تہذیب

انیس اشفاق

میر و غالب کی تعبیریں اور فاروقی کے مقدمات

تفہیم شعر کے میدان میں اس وقت شمس الرحمن فاروقی کا مدِ مقابل کوئی نہیں ہے، ہو بھی نہیں سکتا ہے۔ فاروقی اس میدان میں شروع سے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کے زمانے کے دوسرے شارحین نے بھی میر و غالب کے شعروں کی دیدہ درانہ تعبیریں کی ہیں لیکن شرح نگاری کو اپنا بنیادی میدان بنا لینے کی وجہ سے شہرت سب سے زیادہ فاروقی کے حصے میں آئی۔ تفہیم کے ہنر میں کمال حاصل کرنے کے لیے انہوں نے جس محنت، دل جمعی اور تجسس کا مظاہرہ کیا ہے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ کلاسیکی شاعری سے گہرے شغف کی بنا پر فاروقی اس شاعری کے رموز کو سمجھتے ہیں اور شرح کے ان تقاضوں سے واقف ہیں جو تعبیر کے عمل کو اعتبار عطا کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو شرح و تعبیر کا عمل ادب کے ان اُصولوں کو وضع کرنے سے زیادہ مشکل ہے جو فن پاروں کی تعبیروں کے بغیر بنا لیے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تنقید کے بڑے حصے نے فلسفہ طرازی کا درجہ اختیار کر لیا ہے اور اس فلسفہ طرازی میں فن کے اُصول فراموش ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ادبی مباحث کے نام پر ایک ایسا طلسم خانہ تیار کیا گیا ہے جس کے آئینوں میں ہم اپنی صورتوں کا عکس دیکھنے کے بجائے دوسری صورتوں کا عکس دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ ہماری بیشتر معاصر تحریریں انہیں طلسم خانوں کی سیر کراتی ہیں اور ان کے مبحث ناشناس مصنفین حیرانیِ فہم کا پُر لطف تماشا دیکھ کر اپنی تحریروں کی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ کم لکھنے والے ایسے ہیں جو اپنے خزانوں کو اپنی ہی دولتوں سے معمور سمجھتے ہیں اور انہیں کے صرف اپنے حرف کو معتبر بناتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سوں کو ابھی معلوم ہی نہیں ہے کہ ہمارے خزانوں میں کیا کیا دولتیں موجود ہیں۔ اسی لیے ہر پرائی شے کی طرف ہم تیزی سے لپکتے ہیں اور اسے اپنے یہاں معدوم جان کر اس کی معنویت اور افادیت کا ڈنکا پیٹنے لگتے ہیں۔ گفتگو کے حدود سے بظاہر باہر معلوم ہونے والی ان باتوں کے بیان کا مقصد اپنی اس ادبی روایت کی طرف ذہن کو منتقل کرانا ہے جو شرح و تعبیر کی راہ سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی اور جس نے متن کو مقدم جان کر وہ مقدمات قائم کیے جن سے ہم نے ایسی شعریات وضع کی جس نے تعبیر کے آئندہ مراحل کی مشکلوں کو بڑی حد تک آسان کر دیا۔

اپنے معروف ماہنامے ''شب خون'' میں جدید افکار کی معنویت سے متعارف کرانے کی مُہم میں فاروقی اس شعریات کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ اس شعریات کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ خود تفہیم کے عمل سے گزرا

جائے۔سو فاروقی نے ''شب خون'' کے تینتیسویں شمارے (اپریل ۱۹۶۸ء) سے تفہیم غالب کا سلسلہ شروع کیا جو اس رسالے کے صفحات پر ۲۰ سال تک جاری رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فاروقی پر مغربی علوم کے خرمنوں سے خوشہ چینی کے الزامات عائد ہو رہے تھے۔ ان کی تحریروں کی مزید اشاعتوں کے ساتھ ان الزامات کی آوازوں میں تیزی آتی گئی۔ شاید اسی لیے ۱۹۸۹ء میں جب یہ تفہیمیں کتابی صورت میں سامنے آئیں تو فاروقی کو مغربی ادب سے مرعوب شارحین کے ضمن میں یہ وضاحت کرنا پڑی:

''میرا معاملہ یہ ہے کہ میں مغربی ادب سے واقف ہوں لیکن اس سے مرعوب نہیں ہوں۔''

(دیباچہ۔ تفہیم غالب۔ صفحہ:۱۵)

انہیں شارحین کی شرحوں سے بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے فاروقی کو عنوانِ کتاب کے ساتھ یہ توضیحی فقرہ بھی لکھنا پڑا۔ ''قدیم و جدید شعریات کی روشنی میں غالب کے منتخب اشعار کی شرح'' اور یہی فقرہ تفہیم غالب کے دیباچے پر حاوی نظر آتا ہے۔ چنانچہ مشرقی شعریات کو محترم و مستحسن قرار دیتے ہوئے اور کسی شاعری کی فہم کے لیے اسی شاعر کی شعریات کے تقدم پر اصرار کرتے ہوئے فاروقی لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے میں اس بات سے سروکار رکھتا ہوں کہ مشرقی شعریات کی رو سے اور کیا کہا جانا ممکن ہے۔ میں یہ بھی خیال رکھتا ہوں کہ مغربی ادب میں تفہیم شعر کے جو طریق کار متداول ہیں، اگر وہ ہمارے لیے بھی کارآمد ہو سکیں تو اُن کا استعمال آزادی سے کیا جانا چاہیے۔'' (دیباچہ تفہیم غالب۔ صفحہ:۱۵)

اسی کے ساتھ فاروقی یہ بھی انکشاف کرتے ہیں:

''مشرقی اور مغربی ادب کے بارے میں بہت ساری معلومات بوجوہ گزشتہ شارحین کی دسترس میں نہ تھیں۔'' (دیباچہ۔ صفحہ:۱۶،۱۵)

گویا فاروقی یہ اصرار یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ غالبؔ سابقہ شارحین کی گرفت میں پوری طرح اس لیے نہیں آسکے کیونکہ یہ مفسرین مشرقی شعریات سے بھی پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اس طرح فاروقی نے غالبؔ کا درجۂ اعتبار تک پہنچانے کا بہ خیالِ خود صحیح جواز پیدا کر لیا۔ بات دیباچے کے مشتملات پر چل نکلی ہے تو اپنی آگے کی گفتگو کو مستحکم کرنے کی غرض سے اسی دیباچے سے ایک دو بیانات کا اور ذکر کر دیا جائے۔

علم شرح میں اخذ معنی کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاروقی لکھتے ہیں:

''میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ مشرقی شعریات میں شاعر کے عندیے کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے اور مغربی مفکروں کا بھی ایک بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ہر وہ معنی جو شعر کے الفاظ سے برآمد ہو سکیں، وہ صحیح ہیں۔'' (دیباچہ۔ صفحہ:۱۶)

اس دیباچے میں مفاہیم کو واضح کرنے کے لیے متن سے متن کو روشن کرنے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے:

'' کلام غالب کے اولین شارح تو خود غالب ہیں، اس معنی میں کہ انہوں نے اپنے خطوط میں نئی شعروں کی شرح کی ہے، اور اس معنی میں بھی کہ ان کے بہت سے اردو ۔ فارسی شعر ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔'' (دیباچہ۔صفحہ ۱۶)

ان بیانات کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اردو کی جدید تر تنقید میں شدید تر بحث کا موضوع بننے والے مباحث (منشائے مصنف، متن سے متن کو روشن کرنا وغیرہ) فاروقی کے تفہیم غالب کے دیباچے میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی مباحث حوالوں کی فراوانی، مطالعے کی وسعت، اور مباحث کے مربوط نظام کے ساتھ شعر شور انگیز کی ۴ جلدوں کے صفحات کی زینت بنے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ تفہیم غالب کے دیباچے کی تصنیف کا زمانہ کیا ہے۔ ظاہر ہے اسے تفہیموں کے ایک ساتھ شائع ہوتے وقت ۱۹۸۹ء یا اس سے کچھ قبل لکھا گیا ہوگا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جب ۱۹۹۰ء میں ایک کے بعد ایک شعر شور انگیز کی جلدیں اپنے مقدمات کے ساتھ سامنے آنے لگیں۔ تو کیا یہ سمجھنے پر مجبور ہوا جائے کہ دیباچۂ تفہیم غالب دراصل مقدماتِ میر کا زائیدہ ہے۔ کیونکہ بقول فاروقی انہوں نے انتخابِ میر کو مکمل کرنے کا کام ۱۹۷۹ء میں شروع کیا اور شرح نویسی کا آغاز ۱۹۸۲ء میں۔ شرح نویسی کے دوران وہ ان مقدمات پر ضرور غور کرتے رہے ہوں گے جنہیں ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۴ء تک چار جلدوں کی شکل میں شرحوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔ اگر دیباچۂ تفہیم غالب کو مقدماتِ میر کا زائیدہ نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ غالب کی تفہیمیں تفہیم شعر کی منظم شعریات کے بغیر کی گئی تھیں اور ان کا اصل مقصد بہ زبانِ فاروقی غالب صدی میں غالب کو خراجِ عقیدت پیش کرنا تھا۔

گفتگو کے اس باب سے باہر نکلنے سے قبل ہم آپ کو تفہیم غالب اور شرحِ میر سے متعلق فاروقی کے مقدمات و مباحث کے زمانوں اور دونوں کی اشاعتوں کے درمیان کے قلیل وقفے سے واقف کرانا چاہتے تھے تاکہ آگے چل کر اپنے نکات کی وضاحت میں ہم اس سے کام لے سکیں۔

غالب فہمی کے دعوے کو دلیل بنانے کے لیے فاروقی نے کلامِ غالب کو نئے رخوں اور نئے زاویوں سے دیکھنا شروع کیا۔ اس عمل میں انہوں نے سابقہ شارحین کے بیانوں اور گزشتہ شرحوں کے حوالوں سے قدم قدم پر کام لیا اور انہیں شعروں کو تعبیر کے لیے منتخب کیا جن کی شرح میں کچھ نکتے پہلے کے شارحین سے نظر انداز ہو گئے تھے یا جن کی تعبیر میں کوئی ایسی بات نکلتی تھی جو متداول شرحوں سے ہٹ کر تھی۔ غالب کی تفہیموں کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ فاروقی کے دریافت کیے ہوئے بہت سے نئے مفاہیم تک فاروقی سے قبل کے شارحین کی رسائی نہیں ہے۔ لیکن قدیم و جدید شعریات کے بارے میں فاروقی کی بتائی ہوئی بعض خصوصیتیں ان بیانات کی طرف بھی ہمارے ذہن کو منتقل کرتی ہیں جن میں قریب قریب وہی نکتے نظر آتے ہیں جنہیں فاروقی اپنی تعبیروں کا محرک بتاتے ہیں۔ مثلاً جوش اور عقیدت کے زور میں قابو سے باہر ہوتی ہوئی اپنی غیر تنقیدی نثر میں بھی بجنوری بعض بڑی

اہم باتیں کہہ گئے ہیں۔ یہاں یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ فاروقی سے قبل ایک اکیلے بجنوری ہیں جو غالب کو نئی نگاہ سے دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔ فاروقی کے منظم طریق کار کے برخلاف بجنوری بے ربطی اور بے نظمی کے ساتھ کچھ ایسے معیار بھی قائم کرنا چاہتے ہیں جو بڑی شاعری کا حوالہ بن سکیں۔ "محاسنِ کلام غالب" سے یہ چند فقرے ملاحظہ کیجیے:

(۱)

"شاعری انکشافِ حیات ہے، جس طرح زندگی اپنی نمود میں محدود نہیں شاعری بھی اپنے اظہار میں لاتعین ہے۔" (صفحہ:۵)

(۲)

"تقلیلِ الفاظ بلا اختلالِ معنی اس سے زیادہ محال ہے۔ کہیں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کو پرکن کہا جاسکے۔" (صفحہ:۶)

(۳)

"انسانی طلب کی انتہا تحیر ہے۔ اگر کسی فعل سے حیرت پیدا ہو تو وہ کمالِ فن ہے اور اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ اس کے پسِ پشت کیا ہے۔" (صفحہ:۱۱)

(۴)

"بہت سے دشوار اور غریب اشعار حل نہیں ہوتے لیکن ایک مقابل شعر فوراً مضمون کو آئینہ بنا دیتا ہے۔"
(صفحہ:۶)

ان بیانات میں معانی کی غیر قطعیت، الفاظ کی تقلیل، غالب کی شاعری سے مخصوص حیرت کے عنصر، اور متن کے مقابل دوسرے متن کو لا کر مفہوم کو واضح کرنے کی طرف صاف اشارے کیے گئے ہیں۔ اسی طرح غالب کے اہم ترین شارح نظم طباطبائی بھی روایتی طریقِ تعبیر کے باوجود غالب کے شعروں میں ایک سے زیادہ معانی ہونے کی طرف اشارہ کر چکے تھے۔ اپنی تشریحوں میں غالب کے محاسن اور معائب کا محاکمہ کرتے وقت انہوں نے بہت پتے کی باتیں کہی ہیں۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے طباطبائی کے ان اہم نکات کو اپنی ایک مختصر سی کتاب "شرحِ طباطبائی اور تنقیدِ کلام غالب" میں یکجا کر دیا ہے۔ ایک شعر کی شرح میں طباطبائی لکھتے ہیں:

"محتمل دو معنی پر یا زیادہ پر ہونا شعر کے لیے کوئی خوبی کا باعث نہیں ہوتا خوبی کثرتِ معنی سے پیدا ہوتی ہے، نہ احتمالاتِ کثیر سے۔"

فاروقی نے معنیِ کثیر کے وجود اور معنیِ کثیر کے احتمال کے فرق کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ یہاں طباطبائی کے اس قول کو نقل کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وہ کثرتِ معنی کو شعر کی خوبی سمجھتے ہیں اور در پردہ منشائے مصنف کے قائل

نہیں ہیں کیونکہ شاعر تو اپنے شعر میں ایک ہی معنی کے رکھنے کا اعتراف کرے گا۔

فن پارے کی تعبیر نو کے ضمن میں روسی ہیئت پسندوں کے حوالے سے یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ "فن پارہ ان تمام لسانی ترکیبوں اور اوضاع کا مجموعہ ہے جو اس میں برتے گئے ہیں۔" اگر حسن ادا، صورت اظہار، بندش کی چستی، الفاظ کی مناسبت، تشبیہ کی ندرت اور استعارے کی بلاغت وغیرہ لسانی ترکیبوں اور وضعوں کے دائرے میں آتے ہیں اور اگر ہم انہیں شعر کے لسانی پیرائے میں شامل کرتے ہیں تو سابقہ شرحوں میں ہر ہر شعر کی تشریح میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ معنی کی قوت اور وسعت میں ان سے کس کس طرح کام لیا گیا ہے۔

فاروقی کے مقدمات میں فن پارے کو سمجھنے کے لیے سیاق و سباق اور تہذیبی پس منظر کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی ہے: وہ لکھتے ہیں:

"اس بات میں تو شاید کسی کو کلام نہ ہو کہ فن پارہ تہذیب کا مظہر ہوتا ہے اور تہذیب کے کسی بھی مظہر کو ہم اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے اور نہ اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں جب تک کہ ہمیں ان اقدار کا علم نہ ہو جو اس تہذیب میں جاری و ساری تھیں۔" (جلد اول، صفحہ:۱۷)

فاروقی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ فن پارے کو سمجھنے کے لیے اس کے عہد کی تہذیبی قدروں کو سمجھنا ضروری ہے لیکن فن پارے کی حد تک وہ قدریں تو اس عہد کی شعریات میں مضمر ہوتی ہیں۔ شعریات دراصل شعری نظام کے اندر موجود ہوتی ہے۔

لیکن یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقدمۂ حالی سے لے کر "ہماری شاعری" کے مباحث تک شعروں کی شرحوں میں نہ سیاق و سباق کو نظر انداز کیا گیا، نہ تہذیبی حوالوں کو اور نہ ان مسلمات شاعری کو جن سے ہماری شعریات کی تعمیر ہوئی ہے۔ کیا ہماری شاعری میں استعمال ہونے والی تلمیحوں کو تہذیبی حوالوں کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے اور کیا اقبال کے بیشتر کلام کو سمجھنے کے لیے سیاق و سباق کا جاننا ضروری نہیں ہے۔

سابقین کی تحریروں کے حوالوں اور درج بالا مثالوں سے مترشح ہے کہ فاروقی کی عالمانہ شرحوں سے قبل ہی غالب کی تعبیر نو کی طرف پیش قدمی کے نئے انداز نظر آنے لگے تھے۔ لیکن فاروقی کی فہموں کی اہمیت یہ ہے کہ اول تو انہوں نے ان میں سے کسی انداز کو نظر انداز نہیں کیا۔ دوم یہ کہ انہوں نے اپنے طریق تعبیر سے غالب کی شاعری کے وسیع تر آفاق کو روشن کرنے کی کوشش کی۔

غالب کی تعبیر نو کے جواز میں فاروقی کے بیانات اور انہیں سے مماثل سابقہ تحریروں کے حوالے دراصل ہمارے قطعی بحث کی طرف پیش رفت کے طور پر نقل کیے گئے ہیں۔ اب آیئے اس تفہیم کی طرف جس کی بنیاد پر یہ گفتگو آگے بڑھ رہی ہے۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ تفہیم غالب کا سلسلہ ''شب خون'' کے تیئیسویں شمارے یعنی اپریل ۱۹۶۸ء سے شروع ہوا۔ مئی ۱۹۶۸ء کے شمارے میں فاروقی نے اس شعر کی شرح کی:

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

اور یہیں سے تفہیم غالب سے اختلاف کا سلسلہ چل نکلا۔ جولائی کے شمارے میں سعید اختر خلش نے فاروقی کی تشریح سے اختلاف کیا۔ اسی شمارے میں فاروقی نے خلش کی تشریح کو رد کر کے اپنی تشریح کی تائید میں مزید دلیلیں پیش کیں۔ نومبر ۱۹۶۸ء میں نیر مسعود نے فاروقی کی شرح سے اختلاف کرتے ہوئے اس شعر کے مفہوم کی تفصیل سے وضاحت کی اور فاروقی کے مطالب کا نکتہ بہ نکتہ جواب دیا۔ فروری ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں ''شب خون'' کے ایک قاری ابرار احمد نے نیر مسعود کی تشریحات کو غلط ٹھہرایا اور فاروقی کے مفاہیم کو درست قرار دیا۔ اسی اشاعت میں نیر مسعود نے ابرار احمد کے اعتراضات کے مفصل اور مدلل جوابات دیے۔

''شب خون'' کے کئی صفحات کو محیط غالب کے ایک شعر کی ان تشریحوں اور جوابی تشریحوں میں شعر کے کئی کئی مفاہیم اور ایک دوسرے سے مختلف بلکہ برعکس معانی بیان کیے گئے۔ شعر کے لفظوں کے لغوی معنوں اور اصطلاحی مفہوموں سے بھی اختلاف کیا گیا۔ اور لفظی اور معنوی مناسبتوں کو سمجھنے میں بھی عدم اتفاق نظر آیا۔ ایک نے اپنے مفہوم کو مستحکم کرنے کی غرض سے دوسری شرح سے مدد لی تو دوسرے نے اس شرح کو مبہم اور غیر واضح بتایا۔ ان شرحوں میں اپنے مفاہیم کو مزید روشن کرنے کے لیے خود غالب کے شعروں اور دوسرے شاعروں کے اُن شعروں سے مدد لی گئی جو اسی مفہوم کے مماثل تھے۔ غرضیکہ شرکائے بحث نے اپنے اپنے مفہوم کو صحیح جانا۔ اس طرح ''شب خون'' میں تفہیم غالب کی دوسری اشاعت کے بعد ہی سے ان تفہیموں سے اختلاف کیا جانے لگا۔ ''شب خون'' کے بعض قارئین اگر فاروقی کی تفہیموں سے اتفاق کر رہے تھے تو کچھ شد و مد کے ساتھ انہیں غلط بتا رہے تھے۔ اِدھر اختلاف و اتفاق کے ہنگاموں میں فاروقی کی تعبیروں کا سلسلہ جاری تھا اُدھر نیر مسعود نے غالب کے چودہ شعروں کی تفصیلی شرحوں کو غالب سے متعلق بعض دوسرے مضامین (مشمولِ شعرِ مذکور) کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں ''تعبیرِ غالب'' کے عنوان سے شائع کیا۔ نیر مسعود نے اپنی دیدہ ورانہ تشریحوں میں طرح طرح کے مفاہیم دریافت کیے۔ طرح طرح کے مفاہیم فاروقی نے بھی دریافت کیے اور چونکہ ہمارا تعلق اصلاً فاروقی کی تفہیموں سے ہے اس لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ غالب کے یہاں نہایت عمدہ، نئے، انوکھے اور بلیغ معانی کی جستجو کے باوجود ہر شارح کی طرح فاروقی بھی بہت سے پہلوؤں کو چھوڑ جاتے ہیں اور بہت سے پہلوؤں میں اختلاف کی گنجائشیں پیدا کر دیتے ہیں۔ چھوڑے ہوئے پہلوؤں کی طرف ان کی توجہ منتقل کرانے اور ان کے نمایاں کیے ہوئے نکتوں

سے اختلاف کرنے والوں میں بیشتر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں شعریات کے نئے نظریوں اور ادب کی نئی بحثوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ لیکن مفاہیم کی دریافت میں ان کا طریق کار فاروقی کے طریق کار سے مختلف نہیں ہے۔ آشفتگی وا نے شعر میں شامل شارحین کی تعبیروں اور تعبیرِ غالب کے مصنف نیر مسعود کی تشریحوں کی مثالیں اسی لیے دی گئی ہیں۔

کہا جا چکا ہے کہ تفہیم غالب کی ابتدا کے ۲۱ سال بعد یعنی ۱۹۸۹ء میں فاروقی نے دیباچہ تفہیم غالب میں تعبیرِ غالب کے چند عالمانہ جواز پیش کیے تھے۔ ۱۹۹۰ء سے فاروقی نے مقاماتِ میر کے سلسلے شروع کیے جن میں میر کو لائقِ تفہیم بنانے کے ساتھ ساتھ ہمیں تعبیر کی نئی تعبیروں سے متعارف کرایا۔ متن فہمی کے جدید اور دقیق مباحث کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے فاروقی نے ان مقدمات کے قائم کرنے میں بظاہر بڑی دیدہ دری سے کام لیا ہے۔ ان مقدمات کے مباحث میں انہوں نے ہمیں نہ صرف عہدِ میر کی شعریات سے واقف کرایا ہے بلکہ نئی اور مغربی شعریات کے پیچیدہ مسائل کو سمجھ کر مغربی اور مشرقی شعریات کے مابین مشترک عناصر بھی دریافت کیے ہیں۔ اپنے مباحث، نتائج اور طریقہ کار کے وثوق و استحکام کے لیے فاروقی نے چاروں کتابوں میں مشرقی اور مغربی عالموں کے حسب موضوع اقتباسات بھی شامل کیے ہیں میر کے کلام میں معنی کی فراوانی کو بنیاد بنا کر فاروقی نے شعرِ شور انگیز کی دوسری جلد میں منشائے مصنف کے مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور میر کے شعروں میں میر کے رکھے ہوئے معنی کے علاوہ دوسرے معانی کے موجود ہونے کو بھی صحیح ٹھہرایا ہے۔ یہ بحث فاروقی نے یہاں جس قوت اور استدلال کے ساتھ کی ہے، اس کی ستائش ہم سب کرتے ہیں لیکن مجھے کہنے دیجیے کہ یہ بحث حقیقتاً دیباچہ تفہیم غالب میں ہونا چاہیے تھی کیونکہ میر سے زیادہ غالب اس بحث کے مستحق ہیں۔

مباحث کے معیار، مطالب کی وسعت اور نتائج کی معقولیت کے اعتبار سے ان مقدمات کی اہمیت و معنویت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر فاروقی ان مقدمات کی روشنی میں میر کی تعبیر کا عمل انجام دے رہے ہیں تو غالب کی ان تعبیروں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو ان تفصیلی مقدمات کے قائم ہونے سے قبل بلکہ کسی بھی مقدمۂ شعر کے بغیر کی گئی ہیں۔ واضح رہے کہ دیباچہ تفہیم غالب کے مختصر متن میں تعبیر کا وہ نظام موجود نہیں ہے جو مقدمات میر میں نظر آتا ہے۔ اور غالب سے متعلق فاروقی کی دوسری تحریروں میں بھی متذکر مقدمات کا سا ربط و نظم نہیں ہے۔ تو کیا میر کی طرح غالب اس نظام کا تقاضا نہیں کرتے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو میر کے لیے اس نظام کو قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فاروقی کی طرف سے شاید اس کا جواب یہ دیا جائے کہ میر کو سمجھنے کے لیے میر کے عہد کی شعریات کا سمجھنا ضروری ہے۔ اگر شرح کے اس اُصول پر کاربند ہوا جائے تو غالب کو سمجھنے کے لیے بھی ان کے زمانے کی شعریات کا حوالہ ضروری ہے۔ لیکن فاروقی نے غالب کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ یہ سوال بھی اُٹھنا لازم ہے کہ میر کے لیے بنائی ہوئی شعریات سے کیا غالب کو بالکل نہیں سمجھا جا سکتا۔ اچھا

اگر یہ مان لیا جائے کہ میر کے لیے سنی شعریات کا ہونا ضروری ہے تو کیا فاروقی کے یہاں میر اور غالب کی شرحوں کے طریقے اور اُصول واقعی مختلف ہیں۔ اسے دیکھنے کے لیے آیئے دونوں شاعروں سے متعلق فاروقی کی دو مختصر تشریحوں کا جائزہ لیا جائے۔

ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور
غالب

فاروقی کی شرح: اس شعر کے معنی حالی نے یہ لکھے ہیں (اور غالباً ہر شارح نے اُن سے اتفاق کیا ہے) کہ سارا زور لفظ ہم پر ہے۔ ہستیِ انسان خود ایک بڑا سدِ راہ ہے اس سے بڑا بت کوئی نہیں۔ پتھر کے بت اگر توڑ بھی دیے جائیں تو کیا حاصل۔ جب کے خودی کا بت موجود ہے۔ خود کو توڑے بغیر معرفتِ حق حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ معنی بہت خوب ہیں لیکن ''ہم'' ہی پر زور دیتے ہوئے ایک لطیف معنی اور برآمد ہوتے ہیں کہ ہماری ہستی فی نفسہٖ سدِ راہ کا تقاضا کرتی ہے بلکہ راہ کی رکاوٹوں کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ کچھ بت توڑ بھی دیے تو کیا ہوا؟ ہم تو موجود ہیں اور جب تک ہم ہیں ابھی اور سنگِ گراں راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہوتے رہیں گے۔ یعنی حالی کی تشریح کے اعتبار سے شعر کا مضمون یہ ہے کہ درجۂ فنا کیوں کر حاصل ہو؟ اور موجودہ تشریح کی رو سے مضمون یہ ہے کہ انسان من الخطا ہے۔ جب تک انسان ہے، راہِ حق کی رکاوٹوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔ انسان اصلاً مذنب ہے، اس کا وجود ہی اس بات کا ضامن ہے کہ اس کی راہِ ترقی مسدود رہے۔

جانا نہیں کچھ، جز غزل آ کر کے جہاں میں
کل میرے تصرف میں یہی قطعہ زمیں تھا

فاروقی کی شرح: رعایتیں دیدنی ہیں۔ جز، کل، جہاں، غزل، قطعہ، زمیں (غزل کی زمیں)۔

غزل اور جز میں بھی ایک مناسبت ہے۔ کیونکہ غزل کاغذ پر لکھی جاتی ہے اور کاغذ کو جز میں تقسیم کرتے ہیں۔ شعر کا لہجہ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ بظاہر تو اپنی بے بضاعتی کا رونا رو رہے ہیں لیکن دراصل شاعرانہ کا لہجہ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ بظاہر تو اپنی بے بضاعتی کا رونا رو رہے ہیں لیکن دراصل شاعرانہ کمال پر فخر کا اظہار ہے۔ ''تصرف'' کا لفظ توجہ چاہتا ہے کیونکہ شاعر زبان کو جس طرح استعمال کرتا ہے اسے اس کا تصرف کہتے ہیں۔ آ کر اور جانا میں ضلع کا لطف ہے۔ اسی مضمون کو تقریباً انہیں الفاظ میں لیکن نسبۃً کمزور طریقے سے دیوانِ چہارم میں یوں کہا ہے:

زمینِ غزل ملک سی ہو گئی یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا

آپ نے دیکھا دونوں شعروں کی شرحوں میں ایک ہی انداز اختیار کیا گیا ہے اور مفہوم تک رسائی حاصل

کرنے کے لیے شرح کے روایتی وسیلوں کا سہارا لیا گیا ہے۔یعنی لفظوں کی مناسبتوں،لہجوں کی قرأتوں اور مضمون کی ندرتوں کو بتا کر شعر کے معانی بتائے گئے ہیں۔فاروقی کی شرحوں میں یہی طریقہ نمایاں ہے۔میر و غالب کی شرحوں میں فاروقی کا ایک سا انداز بتاتا ہے کہ غالب کے طریق تعبیر سے میر کی بھی شرح کی جا سکتی ہے۔

اپنے مبحث کے ماحصل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی گفتگو کے مختلف حصوں کو درج ذیل شقوں میں سمیٹ کر ان کے اندرونی ربط کو ظاہر کر دیا جائے۔

۱۔ دیباچۂ تفہیم غالب کے بیانات شرح و تعبیر سے متعلق فاروقی کے آئندہ مباحث کا پیش آہنگ ہیں۔یہ غالب کی مسلسل تفہیموں کے بعد سامنے آئے ہیں۔اس لیے ان سے غالب کی تفہیموں میں کوئی کام نہیں لیا گیا ہے۔ان بیانات کا زمانہ مقدمات میر کے زمانہ سے بہت قریب ہے اور اگر فاروقی اس کا انکار کریں تب بھی اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ دیباچے کے نکات مقدمات کے اہم اور مرکزی مباحث کے بطن سے نکلے ہیں۔

۲۔ غالب کے سابقہ شارحین اور گزشتہ ناقدین کی تحریروں میں یہاں وہاں ایسے نکات موجود ہیں جن پر فاروقی نے اپنی منظم شعریات کی بیشتر بنیادیں استوار کی ہیں۔

۳۔ کسی منظم شعریات کے بغیر بھی غالب کی تعبیریں ممکن ہیں اور شرح کے روایتی طریق کار سے بھی طرح طرح کے مفاہیم دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

۴۔ مقدمات قائم کرنے کے باوجود فاروقی میر کے شعروں کو مقدمات کی مدد سے نہیں بلکہ اسی طریق کار سے سمجھ رہے ہیں جو مقدمات کے بغیر غالب کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

فاروقی کے مقدمات اپنی آزادانہ حیثیت میں اہم مباحث کا مجموعہ ہیں۔اس مفروضے کو منہدم کرنے کی کوشش میں کہ غالب کی طرح میر لائق تفہیم شاعر نہیں ہیں، فاروقی نے نئی بصیرتوں سے کام لے کر پیچیدہ ادبی نظریوں کو حل کر لینے کا ہنر دکھایا ہے اور قدیم و جدید نقطہ ہائے نظر کی یکجائی کے ذریعے اس شعریات کو مرتب کیا ہے جو شاعری کے بہت سے مسئلوں کی وضاحت میں معاون ہو سکتی ہے۔یہ سب کچھ ہے لیکن اپنے ہدف تک آتے آتے یہ مقدمات برطرف ہو جاتے ہیں۔شرحوں کا جائزہ اس کی نفی کرتا ہے اور میر کی تعبیر کے مطالعے میں ہم سوچنے لگتے ہیں کہ میر کے مفاہیم کو سمجھانے کے لیے ان مقدمات کی کیا ضرورت تھی، انہیں تو فاروقی ان کے بغیر بھی سمجھا سکتے تھے؛ جیسے انہوں نے غالب کو سمجھایا ہے۔

❀❀

Address:
Chairman Department of Urdu
University of Lucknow (Up)
INDIA